

مزارعت کیوں ناجائز؟

مولانا محمد طاسیٹ

زیر نظر تحریر، محترم ڈاکٹر محمد صفیر حسن صاحب معصومی کے ان دو مضامین سے متعلق ہے جو ماہنامہ فکر و نظر بابت دسمبر ۱۹۷۵ء میں بعنوان ”کیا مزارعت ناجائز اور مکاح کا لبریلو ہے“ اور مئی ۱۹۷۶ء میں بعنوان ”جواب“ شائع ہوئے۔ چونکہ ان مضامین میں کچھ باتیں میرے اس مضمون کے رد میں تھیں جو فکر و نظر ہی میں زیر عنوان ”مزارعت کی شرعی حیثیت“ شائع ہوا۔ لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ان باتوں کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

لیکن پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے مزارعت پر جو خاصا مفصل مضمون لکھا اسے کھٹکتے وقت میں ہرگز اس خوش فہمی میں مبتلا نہ تھا کہ میرے اس مضمون کو جو اہل علم پڑھیں گے فوراً مزارعت کے عدم جواز کے قائل ہو جائیں گے اور پھر پاکستان سے مزارعت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے ان وجوہ کا اچھی طرح علم ہے جن کی بنا پر بعض علماء کرام مزارعت کو جائز کہنے پر مجبور ہیں۔ نیز میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ جن لوگوں کا معاشی مفاد مزارعت سے وابستہ ہے وہ علماء کے وعظ و نصیحت سے کبھی اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر وہ کبھی اس کو چھوڑیں گے تو صرف حالات کے دباؤ کے تحت چھوڑیں گے۔ پھر جس ملک میں رہا اور سود جیسے معاملے کا عام رواج ہو جس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں وہاں سے مزارعت کیسے ختم ہو سکتی ہے جس کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز ہونے میں اختلاف ہے۔ ہاں تو میں نے یہ مضمون جس مقصد کے تحت لکھا وہ یہ ہے کہ علماء کے درمیان مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے متعلق جو اختلاف ہے یہ اختلاف، اسلام کے حقیقی اور مثالی معاشی نظام کے تعین کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ وہ یوں کہ اگر مزارعت اصولاً ناجائز ہو تو اسلام کا حقیقی

معاشی نظام ایک اور طرح منسلک ہوتا ہے اور ناجائز ہو تو ایک دوسری شکل بنتی ہے اور دونوں میں نوعیت کے لحاظ سے بنیادی فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ آج اس کی اشد ضرورت ہے کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں پیش کیا جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلام کا معاشی نظام بنیادی اور افادگی طور پر اشتراکیت اور سرمایہ داری سے کیسے بہتر ہے لہذا علمائے اسلام کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پوری بحث و تحقیق سے یہ متعین کریں کہ مزارعت، اسلام میں اصولی طور پر جائز معاملہ ہے یا ناجائز؟ ”اصولی طور پر“ اس لئے کہا ہے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز اصولی اور حقیقی طور پر ناجائز اور خاص طرح کے حالات میں اضافی اور وقتی طور پر جائز ہو لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز اصولی طور پر ناجائز بھی ہو اور جائز بھی، کیونکہ اسی کا نام تضاد ہے جو ایک صحیح دین میں نہیں پایا جاسکتا۔ مطلب یہ کہ اگر مزارعت اصولی طور پر ایک جائز معاملہ ہے تو اصولی طور پر ناجائز نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے برعکس۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں امام کے نزدیک مزارعت جائز اور فلاں کے نزدیک ناجائز ہے اسلام کے لئے نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اس سے اسلام کا معاشی نظام غیر متعین ہو کر رہ جاتا ہے اور مخالفین اسلام کو اس پر پوچھ گچھ کا موقع ملتا ہے کہ اسلام کا کوئی متعین معاشی نظام نہیں، جبکہ اشتراکیت کا معاشی نظام دو دو چار کی طرح متعین اور واضح ہے غرضیکہ اگر موجودہ دور میں جس کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے علماء اسلام، اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں پیش کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو نئی نسل کم از کم معاشی نظام کی حد تک کسی اور نظام کو اپنانے پر مجبور ہو جائے گی اور علماء کرام اس گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

مزارعت کے جواز و عدم جواز کے اختلاف کو دور کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان دلائل کا پورے غور و خوض سے تحقیقی جائزہ لیا جائے جو اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں اب تک پیش کئے گئے ہیں۔ نیز اس بارے میں جو مزید عقلی نقلی دلائل ہو سکتے ہیں ان کو بھی سامنے لایا جائے اور خصوصیت کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ اسلام جس طرح کا معاشی ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے وہ مزارعت کے جواز سے پیدا ہو سکتا ہے یا اس کے عدم جواز سے۔ میں نے اپنے اس مضمون میں

اسی طرح کی ایک کاوش پیش کی تھی میری یہ کاوش کس حد تک کامیاب اور کس حد تک ناکام رہی اس کا فیصلہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جو کھلا ذہن رکھنے کے ساتھ ساتھ حقیقت پسند اور منصف مزاج واقع ہوئے ہیں اور اسلام کے مفاد کو دوسرے تمام مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔

اب میں ڈاکٹر معصومی صاحب کے محولہ بالا مضامین کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا بڑا حصہ کراء الارض بمعنی مزارعت سے متعلق نہیں بلکہ کراء الارض بمعنی زمین کو سونا چاندی یعنی نقد کے بدلے اجارے پر دینے سے متعلق ہے جبکہ میرا مضمون صرف کراء الارض بمعنی مزارعت سے متعلق تھا۔ دراصل یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے بعض کراء الارض بمعنی مزارعت کے جواز کے قائل اور کراء الارض بالذہب الغفستہ کے عدم جواز کے قائل تھے اور بعض مزارعت کے عدم جواز اور کراء الارض بالنقدین کے جواز کے قائل تھے۔ لہذا میں مضمون کے اس حصہ پر اہتمام سے بحث کرنا نہیں چاہتا البتہ سرسری طور پر برائے نام عرض کروں گا کہ اگر اس کراء الارض کے جواز و عدم جواز کا رد در بعض احادیث و آثار پر ہو تو پھر اس کے عدم جواز کے قائل حضرات کے پاس جواز والوں کے مقابلہ میں زیادہ احادیث و آثار ہیں، علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی جلد ہشتم میں

کراء الارض بالذہب الغفستہ کے جواز اور عدم جواز سے متعلق احادیث و آثار پر کافی مفصل بحث کی اور عدم جواز والی روایات کو جواز والی روایات پر ترجیح دیتے ہوئے زیادہ قابل اعتماد ثابت کیا ہے اگرچہ مجھے ان کی بحث سے مکمل اتفاق نہیں، مطلب یہ کہ تحقیق کا لٹا مٹا یہ تھا کہ ڈاکٹر معصومی صاحب موافق و مخالف تمام روایات کو سامنے لاتے اور علمی طریقہ سے جواز والی روایات کو عدم جواز والی روایات پر راجح ثابت کرتے۔ اور پھر یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کراء الارض بالنقدین کے جواز میں بعض ایسی احادیث نقل کر دی ہیں جو قطعاً کراء الارض بمعنی مزارعت سے متعلق نہیں مثلاً عبداللہ بن عباس کی اس حدیث کو لیجئے جو موصوف نے پہلے ہی صفحہ پر صحیح البخاری سے نقل فرمائی ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث باب فضل النخعة میں بیان فرمائی ہے یہ بتانے کے لیے کہ فضیلت کی بات یہ ہے کہ انسان اپنی فاضل زمین دوسرے کو بلا معاوضہ

محض منہ کے طور پر برتنے کے لئے دے دے اور اس سے کچھ نہ لے۔ اس حدیث کے جن الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے وہ یہ ہیں: ”اما انہ لوممنہا ایاہ کان خیرالہ من ان یاخذ علیہا اجرامعلہا“ امام بخاری نے یہ حدیث کراء الارض بالذهب والفضة کا جواز ثابت کرنے کے لئے بیان نہیں فرمائی ورنہ وہ اس سے چند سطریں پہلے حضرت جابرؓ کی وہ حدیث بیان نہ فرماتے جس سے مزاولت اور کراء الارض کی ہر شکل صاف طور پر ناجائز ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے:-

عن جابر قال كانت لوجال منافضولافین حضرت جابر سے مروی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں
فقالوا انکوا جرحا بالثلث والربع والنصف فقال کے پاس فاضل زمینیں تھیں انہوں نے رسول اللہ صلی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من كانت له ارض سے پوچھا کہ کیا ہم بر زمینیں تنہائی چوتھائی اور نصف
فلیزرعها، اولیمنہا افاء، فان ابی فلیمسک پیداوار کے برابر اجارے پر دے سکتے ہیں تو اسے فرمایا،
ارضة (ص ۳۵۸ ج ۱ جامع صحیح مصطفائی پریس) جس کے پاس زمین ہو وہ اسے کاشت کرے یا اپنے بھائی
کو بلا معاوضہ منہ کے طور پر دے دے، اگر اس کو انکار
ہو تو یوہی روک رکھے۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس حدیث سے غالباً اس لئے صرف نظر کیا کہ اس سے منہ
طور پر ان کے مقصد کی نفی اور تردید ہوتی تھی۔ امام بخاری نے یہ حدیث اس باب میں اس مناسبت
سے بیان فرمائی ہے کہ اس میں ”اولیمنہا افاء“ کے الفاظ تھے۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث جو ڈاکٹر معصومی صاحب نے صحیح البخاری سے
کراء الارض بالذهب والفضة کے جواز میں پیش کی ہے کراء الارض سے متعلق نہیں بلکہ مزاولت
سے متعلق ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کو ”باب کراء الارض بالذهب والفضة“
میں بیان نہیں فرمایا بلکہ ”باب المزارعت بالجزء“ میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ شارح
بخاری حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث پیچھے باب المزارعت میں
گزر چکی ہے، یعنی یہ کراء الارض بمعنی مزارعت سے متعلق ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ حدیث
کراء الارض بالذهب والفضة سے متعلق ہوتی تو اس کے واحد راوی حضرت طاؤس اس کے عدم

جواز کے قائل نہ ہوتے حالانکہ سب نے لکھا ہے اور خود ڈاکٹر صاحب نے بھی نوٹوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت طاؤس کراء الارض بالذنب والفضة کو قطعاً ناجائز اور حرام کہتے تھے۔ اس کے باوجود اگر ڈاکٹر معصومی صاحب کو اس پر اصرار ہو کہ یہ حدیث کراء الارض بالنقدین سے متعلق ہے تو پھر ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ جس حدیث کا واحد راوی اپنی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کر رہا ہو اس کی استنادی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ اور پھر اس پر بھی تعجب ہے کہ ڈاکٹر معصومی صاحب ایک حدیث ابن عباس کی بنا پر کراء الارض کو خلاف تقویٰ لکھتے ہیں اور پھر اس کے جواز پر اس انداز سے بحث کرتے ہیں گویا کہ یہ حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے اور اس کو ترک کر دینا تقویٰ سے محروم ہو جانے کے مترادف ہے۔

اب مضمون کے اس حصے کی طرف آتا ہوں جو ڈاکٹر موصوف نے مزارعت کے جواز سے متعلق لکھا ہے۔ اس میں دراصل ڈاکٹر صاحب نے سب کی سب وہی باتیں دہرا دی ہیں جو دوسروں نے مزارعت کے جواز سے متعلق لکھی ہیں بلکہ میں خود ان کو اپنے مضمون میں نقل کر کے ان کی حقیقت واضح کر چکا ہوں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون میرے مضمون کے بعد بلکہ جواب میں لکھا لہذا نہیں چاہیے تھا کہ میں نے جو کچھ لکھا اس کا علمی طریقہ سے ابطال کرتے اور دلائل کے ساتھ بتاتے کہ میں نے استدلال میں کہاں کیا غلطی کی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے یہ بتاتے کہ میں نے معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا جو اصولی تصور پیش کیا ہے اور اس کے تحت مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ کن وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں اور اس کے مقابلہ میں دوسرا صحیح اصولی تصور کیا ہے جس کی رو سے مزارعت جائز قرار پاتی ہے۔ اسی طرح پھر یہ واضح کرتے کہ میں نے اصول الحدیث کی روشنی میں احادیث مزارعت پر جو بحث کی اور عدم جواز والی احادیث کو جواز والی احادیث پر ترجیح دے کر زیادہ قابل اعتماد اور لائق استدلال ثابت کیا ہے وہ کن دلائل کی بنا پر غلط ہے اور کہاں کیا غلطی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے کہ جواز والی احادیث کو عدم جواز والی احادیث پر کن وجوہ کی بنا پر ترجیح ہے، اسی طرح میں نے کنار صحابہ اور اقوال تابعین پر جو بحث کی ہے اس کی نسبت بتاتے کہ وہ کیوں اور کن دلائل کی وجہ سے

صحیح نہیں، نیز یہ لکھتے کہ میں نے مزارعت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں جو عقلی اور تفسیری دلائل پیش کئے وہ کیوں صحیح نہیں اور ان میں کہاں کیا ستم اور کیا ضعف ہے۔ لیکن محترم ڈاکٹر معصومی صاحب نے بحث و تحقیق کے متعارف اور علماء و عقلاء کے نزدیک صحیح اور معقول طریقہ کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز کیا بلکہ اثبات اس کو غیر معقول کہا۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس بحث میں جو طریقہ اختیار کیا ہے نہ وہ تحقیقی ہے اور نہ تعلیمی تحقیقی اس لئے نہیں کہ وہ حقیقت حال کو سمجھنے سمجھانے کے لئے نفس دلائل کی بجائے اشخاص کے فہم پر اعتماد کرتے ہیں، اور تعلیمی اس لئے نہیں کہ وہ ان کی تعلیم نہیں کرتے جن کی کرنی چاہیے یعنی امام اعظم البر صنیعی، امام مالک اور امام شافعی، اور ان کی کرتے ہیں جو خود ائمہ مجتہدین کے مقلد ہیں جیسے علامہ طحاوی، ابن قدامہ اور علامہ نووی وغیرہ۔

مثال کے طور پر معاملہ خیبر کو لیجئے۔ جہاں تک عقلی و نقلی دلائل کا تعلق ہے یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم ذمی رعایا کے درمیان سیاسی نوعیت کا معاملہ ہے جس نے اپنے مضمحل میں اس پر کئی دلائل پیش کئے ہیں لیکن معصومی صاحب نے ان دلائل کو اس طرح نظر انداز کیا کہ گویا پڑھا ہی نہیں اور بعض علماء کی تقلید میں بار بار یہ دہرایا کہ یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا۔ چلیے اگر یہودی خیبر سے یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو پھر اس کا کیا جواب ہے کہ یہودی جب تک خیبر میں رہے ان سے سوائے نصف پیداوار کے اور کچھ نہیں لیا گیا حالانکہ ذمیوں سے جزیہ لینے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اب اگر پیداوار کا یہ نصف حصہ جزیہ اور خراج کے طور پر نہ تھا بلکہ بطور مزارعت کے تھا تو پھر قرآنی حکم کے تحت ان ذمیوں سے جزیہ و خراج کیوں نہیں لیا گیا؟ اور اگر وہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے تو پھر عہد فاروقی میں ان کو خیبر سے جلا وطن کرنے کے بعد ان سے جزیہ کیوں وصول کیا گیا؟ (۲) اسی طرح اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا سیاسی نوعیت کا معاملہ نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اراضی خیبر کے مالک اور یہودی مزارعین تھے تو پھر یہ معاملہ حکومت کے ذریعے کیوں طے ہوا اور ختم بھی حکومت کے ذریعے کیوں ہوا؟ اور کیوں حکومت کا نمائندہ خیبر جا کر مجموعی پیداوار کا تخمینہ لگاتا اور نصف حصہ وصول کرتا رہا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ

اراضی خیبر کی مالک حکومت تھی تو پھر کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ ذرائع پیداوار کی ملکیت کا حق حکومت کو حاصل ہے وہ ان میں مفاد عام کے تحت جو چاہے تصرف کر سکتی ہے؛ اور اگر حکومت مالک تھی تو یہود کو خیبر سے نکالتے وقت حکومت نے یہودیوں کو معاوضہ کیوں ادا کیا جس کی تفصیل بعض روایتوں میں ہے؟ (۳) اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو اس میں مسلمانوں کی طرف سے یہ کیوں کہا گیا کہ مدت کا تعین نہیں ہم جب تک چاہیں گے اسے برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے یکطرفہ طور پر ختم کر دیں گے حالانکہ جو لوگ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی صحت کی شرائط میں سے ایک شرط مدت کا تعین ہے؟ (۴) اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو اس معاملہ کی حدیث کے ایک راوی عبد اللہ بن عمر نے رافع بن خدیج سے حدیث ممانت سن کر مزارعت کو کیوں ترک کیا اور کیوں اس کے عدم جواز کے قائل ہوئے اور اس کے دوسرے راوی حضرت عبد اللہ بن عباس نے مزارعت کو ایک مکروہ اور خلاف اولیٰ معاملہ کیوں کہا اور کیوں اس سے منع کرتے تھے جس معاملہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کافی عرصہ تک اسے برقرار رکھا اور اس پر عمل کیا اس لحاظ سے اس کی حیثیت تو ایک اعلیٰ سنت کی ہو جاتی ہے پھر بھلا اسے عبد اللہ بن عمر جیسے عاشق سنت کیسے ترک کر سکتے اور ناجائز کہہ سکتے تھے، اور اسے عبد اللہ بن عباس کیسے خلاف اولیٰ اور غیر مستحب کہہ سکتے تھے؟ کیا ان حضرات کا ایسا کرنا اور کہنا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ ان نے نزدیک معاملہ خیبر، مزارعت کا معاملہ نہ تھا؟ اسی طرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو صحابہ کرام کی ایک جماعت جس میں حضرت جابر، حضرت رافع، حضرت زید بن ثابت، حضرت ثابت بن الضحاک، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت سعد بن ابی وقاص شامل ہیں، اور ان کا برتاو بعین کی ایک جماعت جس میں سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ، مجاہد، عطاء، شعبی، ابراہیم النخعی، حسن بصری، مکحول، محمد بن میر بن اور محمد بن قاسم شریک ہیں اور پھر ائمہ مجتہدین کی جماعت جس میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی شامل ہیں ان تمام نے مزارعت کو کیوں ناجائز کہا جبکہ ان سب کو اچھی طرح علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہودی خیر سے لعف پیداوار پر معاملہ کیا اور حضرات شیخین کا بھی اس پر عمل رہا۔ غور فرمائیے اگر ان کے نزدیک یہ معاملہ مزارعت کا ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ مزارعت کو ناجائز کہتے؟

امام ابو حنیفہ سے تو صاف منقول ہے کہ وہ معاملہ خیر کو خراج مقاسمت کا معاملہ فرماتے تھے۔ علامہ عینی نے عمدہ الفارسی شرح بخاری کی جلد پانچ صفحہ ۷۲ پر امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی یہ تاویل صحیح ہے اور پھر اس کی تائید میں علامہ ابو بکر حصّاص کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے جو انہوں نے مختصر الطحاوی کی شرح میں لکھی ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کی رائے کے حق میں دلائل پیش کئے گئے ہیں اور مخالف رائے کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی رائے کے متعلق یہ کہنا کہ وہ حدیث خیر کے خلاف ہے انتہائی تلائی کی بات ہے، حدیث خیر جب مذکورہ دلائل کی بنا پر مزارعت سے متعلق ہی نہیں تو امام اعظم کی رائے حدیث کے خلاف کیسے ہوگی۔ اور پھر جب وہ ذبیہوں سے خراج مقاسمت کو جائز قرار دیتے ہیں تو اسی حدیث خیر کی بنا پر تو جائز قرار دیتے ہیں لہذا ان کا اس حدیث پر عمل ہے۔ اصل بحث حدیث خیر کو ماننے نہ ماننے سے متعلق نہیں بلکہ اس سے متعلق ہے جو اس حدیث سے سمجھا گیا ہے کس کا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور کس کا غلط ہے اس کا فیصلہ دوسرے دلائل اور شخصی اعتماد پر ہی ہو سکتا ہے جس کو امام ابو حنیفہ کے دلائل اور ان کے فہم و تعلق پر اعتماد ہو وہ ان کے مطلب کو صحیح سمجھے گا اور جس کو کسی دوسرے کے فہم پر اعتماد ہو وہ اس کے مطلب کو صحیح مانے گا۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے حدیث خیر کی بنا پر مزارعت کو جائز کہنے کے بعد پھر ان تاویلوں کو دہرایا ہے جو نبی مزارعت والی امامیہ کے متعلق ہمیشہ ان حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی رہی ہیں جنہوں نے حدیث خیر کی بنا پر مزارعت کو جائز سمجھا۔ ان میں سے ایک تاویل یہ کہ نبی کا تعلق مطلق مزارعت سے نہیں بلکہ اس کی ان خاص شکلوں سے ہے جو غلط شرائط کی وجہ سے موجب نزاع بنتی ہیں۔ اور دوسری تاویل یہ کہ نبی سے مراد نبی تحریم نہیں بلکہ نبی کواریت ہے۔ لیکن میرے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا جن کی بنا پر میں نے اپنے معقولوں میں ان تاویلوں کو غیر صحیح اور باطل ثابت کیا ہے۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے جوازِ مزارعت کی بحث میں کچھ باتیں علامہ طحاوی کی شرح معانی الآثار اور شکل الآثار سے نقل فرمائی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں علامہ طحاوی کے بعد جس نے بھی جوازِ مزارعت پر لکھا ہے اس نے علامہ موصوف کی تاویلوں سے فائدہ اٹھایا ہے لہذا اس پر تبصرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ علامہ طحاوی کا حنفی محدثین و فقہاء میں نہایت بلند اور ممتاز مقام ہے۔ آپ حنفی مذہب کے زبردست حامی اور بقول شخصے بیسڑ ہیں۔ اختلافی مسائل میں وہ حنفی موقف کو رائج اور اصح ثابت کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے اور استدلال کا پورا زور صرف فرمادیتے ہیں۔ چونکہ مزارعت کا مسئلہ بھی اختلافی مسئلہ تھا امام ابو حنیفہ اور امام زفر اگرچہ مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے لیکن امام محمد شیبانی اور قاضی ابویوسف نے اسے جائز کہا اور پھر خاص حالات کی وجہ سے ان کا قول ایسا مشہور ہوا کہ حنفی مذہب بن کر رہ گیا۔ دوسری طرف امام مالک، امام شافعی، اور ان کے شاگرد متفقہ طور پر اس کے عدم جواز کے قائل ہوئے لہذا علامہ طحاوی نے اس مسئلہ پر جو بحث فرمائی اس میں ان کا مخصوص انداز کار فرمانظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ بھی امام مالک اور امام شافعی سے متفق تھے اس لئے ان کے دلائل کو بھی آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے بحث تقریباً معتدل رہی اور آخر میں علامہ طحاوی کو لکھنا پڑا کہ جہاں تک نظر صحیح اور عقل کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہ کا مسلک درست ہے، صاحبین نے احادیث و آثار کی بنا پر اس کے خلاف موقف اختیار کیا اور جوازِ مزارعت کے قائل ہوئے۔ شرح معانی الآثار کی وہ عبارت یہ ہے: **فقد ثبت بالنظر الصحيح ان لا يجوز المساقاة ولا المزارعة الا بالدرع والدرع والدرع وما اشبهها من العوض وهذا قول ابي حنيفة في هذا الباب، واما ابو يوسف ومحمد بن الحسن فذهبوا الى جوازها جميعا وتركوا النظر في ذلك واتبعا ما قد روينا في هذا الباب من الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن اصحابه** (ص ۲۶۲-۲۶۳ جلد دوم)۔

علامہ طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار کے باب المزارعة میں احادیث مزارعت پر جو بحث فرمائی ہے وہ یہ کہ پہلے انہوں نے حضرت رافع بن خدیج کی احادیث تیسرے مختلف سندوں

سے نقل فرمائی نہیں جن کے متون سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک یہ کہ یہ احادیث بلحاظ اصل ایک حدیث نہیں جس کو مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں بیان کر دیا ہو، بلکہ متعدد اور کم از کم دو ضرور ہیں، ایک وہ جو حضرت رافع نے اپنے چچاؤں کے واسطے سے روایت کی جس کے آخری الفاظ ہیں، ”من كانت له ارض فليزرعها او يئزرعها ان شاء ولا يكرهها بالثلاث ولا بالربيع ولا بطعام مسمي“ اور دوسری وہ جو حضرت رافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اس وقت سنی جب وہ اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزر رہا تھا، جس کے آخری الفاظ ہیں، ”اربيت فردا الارمن على اهلها وقد نفقت“ اور دوسری یہ کہ مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے ایک حصہ پر دینا ناجائز اور ممنوع ہے۔

اس کے بعد دو طریقوں سے حضرت ثابت بن العنکاک کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ وہ اس طرح کہ عبد اللہ بن السائب نے عبد اللہ بن مغفل سے مزارعت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ ثابت بن العنکاک نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا، ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی عن المزارعة“ ظاہر ہے کہ جب عبد اللہ بن مغفل سے سوال مطلق مزارعت کے متعلق کیا گیا تو اس نے جو جواب دیا وہ بھی مطلق مزارعت ہی کے متعلق ہو سکتا ہے۔ پھر حضرت جابر بن عبد اللہ کی احادیث آٹھ مختلف طریقوں سے نقل فرمائیں جن کے متون سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی باعتبار اصل دو حدیثیں ہیں جن کو راویوں نے مختلف لفظوں سے روایت فرمایا ہے۔ ایک وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کے سامنے خطبہ میں بیان فرمائی وہ یہ کہ:-

عن جابر بن عبد الله قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال من كانت له ارض فليزرعها او يئزرعها ان شاء ولا يوجها
حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کیلئے دیدے اور اسے کرائے اور اجالے پر نہ

(ص ۲۵۷-۲۵۸-طحاوی)

یہ حدیث چونکہ خطبہ میں بیان فرمائی گئی لہذا حضرت جابر کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی، رافع بن خدیج کے دو چچاؤں نے بھی جو بدری صحابی ہیں روایت کی۔ اور دوسری

وہ حدیث جس کے الفاظ ہیں: "من لم یذرا المذابرة فلیؤذک بحوب من اللہ ورسولہ"، اور جو مترک حاکم کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آیت ربا: "الَّذِينَ يَأْكُلُونَ رِبَاً لَا يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا يَقُولُوا الَّذِي يُخَبِّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسْأَلِ" ہوئی جو بالاتفاق مدنی زندگی کے بالکل آخر میں نازل ہوئی۔ حضرت جابر کی ان آٹھ طریقوں سے بیان کردہ احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مزارعت کی ہر شکل ممنوع و ناجائز ہے۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے نہی مزارعت کی ان احادیث میں نہایت کمزور احتمالات کی بنا پر جو تاویلیں فرمائی ہیں ان کو وہی شخص صحیح مان سکتا ہے جس نے پہلے یہ قطعی طور پر طے کر لیا ہو کہ مزارعت فی نفسہ ایک جائز اور درست معاملہ ہے۔ مثلاً حضرت ثابت بن الضحاک کی حدیث میں یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس میں مزارعت سے مراد مطلق مزارعت نہ ہو بلکہ اس کی کوئی ناسد شکل مراد ہو، حالانکہ اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر اگر عبد اللہ بن مغفل کا فہم صحیح ہے تو اس حدیث میں مزارعت سے مراد مطلق مزارعت یہی ہو سکتی ہے کیونکہ انہوں نے مطلق مزارعت کے متعلق سوال کے جواب میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

اسی طرح حضرت جابر کی احادیث میں جو مزارعت اور کراء الارض کی ہر شکل کی ممانعت میں نص حکم کا درجہ رکھتی ہیں یہ تاویل کرنا کہ ان میں جس مزارعت اور کراء الارض کی ممانعت ہے وہ مطلق مزارعت اور کراء الارض کی نہیں بلکہ اس کی خاص شکلوں کی ہے جو غلط شرائط کی وجہ سے باعث نزاع بنتی ہیں تو یہ ایسی تاویل ہے جس سے حضرت جابر کی احادیث صاف انکار کرتی ہیں اور عقلاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً حضرت جابر کی اس حدیث کو لیجئے جو غزوہ علامہ طحاوی نے نقل کی ہے اور صحاح ستہ میں بھی موجود ہے:

عن جابر بن عبد اللہ قال کان لرسول اللہ	حضرت جابر نے کہا کہ عہد رسالت میں ہم میں
منا فضل ارضین علی عہد رسول اللہ	سے کچھ اشخاص کے پاس فاضل زمینیں تھیں اور
صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا یواجر وینما	وہ انکو نصف، تہائی اور چوتھائی سپردوار کے عوض

على النصف والثلث والرابع، فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له
ارض فليزرعها وليمنح افاه فان ابى فليمسك
اجاره يردتے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے
بھائی کو مفت بلا معاوضہ دیدے پس اگر ایسا
نہیں کرتا تو اس زمین کو روک رکھے۔ (ص ۲۵۷-ج ۲-طحاوی)

اس حدیث کے دونوں حصوں سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت ناجائز ہے کیونکہ
اس کے پہلے حصہ میں صاف طور پر اس کا بیان ہے کہ لوگ نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پر
زمینیں لیتے دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا، اور روکنے کے لئے جو الفاظ ارشاد فرمائے ان کا اسلوب
وعظ کا نہیں، قانون کا ہے مطلب یہ کہ آپ نے زمین کے متعلق ایک قانونی ضابطہ بیان فرمایا، کہ مالک زمین خود
کاشت کرے۔ خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو بطور منحہ دیدے (۲) اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو پھر اس زمین کو بلا
کاشت اپنے پاس روک رکھے۔ اس قانونی ضابطے کی تیسری شق سے مزارعت اور کرار الارض کی
ہر شکل ممنوع ثابت ہوتی ہے اور اس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ علامہ طحاوی
نے اپنی تاویل کیلئے جن دو چیزوں کا سہارا لیا ہے غور سے دیکھا جائے تو ان سے سہارا نہیں ملتا، پہلی چیز یہ کہ
چونکہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو کسی فریق نے نہیں مانا لہذا ظاہری مفہوم ساقط الاعتبار ہے۔ اس کے متعلق یہ
عرض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس چیز کو رد و قبول کا معیار بنایا جائے تو پھر فریقوں کی بجائے بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کو
اس کا معیار بنانا چاہیے اور چونکہ یہ واقعہ ہے کہ امت ایک حصہ مزارعت کو ممنوع مانا اور دوسرے حصہ نے نقد کرار الارض کو
ممنوع قرار دیا لہذا امت مسلمہ کا بحیثیت مجموعی حضرت جابر وغیرہ کی ایسی احادیث پر عمل رہا تو پھر انکو ساقط الاعتبار کیسے کہا
جاسکتا ہے دوسری چیز جس سے علامہ طحاوی نے سہارا لیا ہے حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے جسے انہوں نے تین
مذہبوں سے بیان کیا ہے اور تینوں کے متن کے الفاظ مختلف ہیں اور اس حدیث کے واحد راوی حضرت
ابو الزبیر ہیں وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے: —

(۱) عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد الله ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم بلغه ان رجلا
يكون مزارعهم بنصف ما يخرج منها ويثلثه و
ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ لوگ اپنے
کھیت، نصف پیداوار اور تہائی پیداوار اور

بالمادینات، فقال فی ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت له ارض فلیزرعها فان لم یزرعها فلیمنعها اخاه فان لم یفعل فلیمسکها۔ (ص ۲۵۸ - ج ۲ - طحاوی)

نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے عوض کرے
پر دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا، جس کے
پاس زرعی زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے
اگر خود نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو منہ کے طور
پر دے دے، اور اگر ایسا بھی نہیں کرنا تو اپنے
پاس روک رکھے۔

(۲) من ابی الزبیر سمعت جابر بن عبد اللہ یقول کنا فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ الارض بالثلث او الربع بالمادینات، ففعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک (بحوالہ مذکور)

ابو الزبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر کو یہ کہتے سنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین لیتے تھے تہائی یا چوتھائی کے بدلے بشمول نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔

(۳) عن ابی الزبیر عن جابر قال کنا نأخذ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنصيب کذا وکذا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت له ارض فلیزرعها او یمنعها اخاه الا فلیدعها۔ (ص ۲۵۸ - ج ۲ - من ابی الزبیر عن جابر)

حضرت ابو الزبیر سے روایت ہے کہ حضرت جابر نے کہا ہم عہد رسالت میں زمین مختار پر دیتے لیتے تھے پس پاتے تھے ایسا اور ایسا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ اس زمین ہو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو استعمال کے لئے مفت دے دے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔

علامہ طحاوی کی کتاب مشکل الآثار میں دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: کنا فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ الارض بالثلث والربع بالمادینات ففعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک۔ یعنی او کی بجائے واؤ، اور بالمادینات سے پہلے واؤ عاطفہ ہے اس لحاظ پہلی اور دوسری روایت کے الفاظ یکساں ہیں۔ البتہ پہلی روایت میں ان الفاظ کی تفصیل ہے

جو رسول اللہ صلعم نے نہیں کئے بیان فرمائے، جبکہ دوسری روایت میں نہی کا ذکر تو ہے لیکن نہی کے الفاظ مذکور نہیں، اور تیسری حدیث کا پہلا حصہ مجمل ہے یعنی غبارت کا ذکر تو ہے لیکن اس کی شکل کی تفصیل نہیں البتہ اس میں پہلی روایت کی طرح نہی کے الفاظ مفصل ہیں۔ ابوالزبیر کی اس حدیث کو علامہ طحاوی نے جس مطلب کے لئے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ حضرت جابر کی احادیث میں مزارعت کی جو نہی ہے وہ نفس مزارعت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی خارجی خرابی کی وجہ سے ہے حالانکہ اس حدیث کی تینوں روایات میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ مطلب نکلتا ہو۔ ان تین روایتوں میں مزارعت کی چار شکلوں کا ذکر اور ان کی مانعت کا بیان ہے۔ ایک زمین کو نصف پیداوار پر دینا۔ دوم تہائی پیداوار پر، سوم چوتھائی پیداوار پر اور چہارم اُس پیداوار کے بدلے جو پانی کی نالیوں کے آس پاس اُگتی ہے۔ اور پھر ان روایات میں نہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ ہیں ان میں عموم اور وسعت ہے۔ اُن سے جس طرح ان مذکورہ چار شکلوں کی مانعت مراحتاً ثابت ہوتی ہے اسی طرح کراء الارض کی دوسری تمام شکلوں کی مانعت بھی اجمالی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ وہ ایک قاعدہ کلیہ ہے؛ جس کے پاس زمین، جودہ اُسے خود کاشت کرے، خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو بلا کسی معاوضہ استعمال کرنے کے لئے دے، اگر ایسا نہیں کرتا تو فلیع سکھا، اُسے رد کر لے یہ الفاظ پہلی روایت کے ہیں، الا فلیعھا، ورنہ اس کو چھوڑ دے، یہ الفاظ تیسری روایت کے ہیں، یہ ثانوی ضابطہ صرف تین شقوق پر منحصر نہیں ہے، اور اس سے قطع طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مالک زمین کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی زمین پیداوار کے کسی حصہ پر دوسرے کو دے۔

غرض کہ حضرت جابر سے روایت کردہ ابوالزبیر کی وہ حدیث جس کو علامہ طحاوی نے تین طرق سے بیان کیا ہے اس میں اس مطلب کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے اس کی کسی ذاتی بُرائی کی وجہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ خارجی بُرائی یعنی کسی غلط شرط کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اس مطلب کو حضرت ابوالزبیر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اُس حدیث کے بھی راوی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے: من لم یذر الخابرة فلیؤذن بحرق من

اللہ ورسولہ۔ اور اگر کوئی اس میں یہ تاویل کرے کہ محابرة سے مراد مطلق محابرة نہیں بلکہ اس کی کوئی خاص شکل ہے تو یہ تاویل ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کی آیت احل اللہ البیع وحرّم الربوا، اور یصحّ اللہ الربوا، اور ذروا ما بقی من الربوا، میں ربو سے مراد مطلق ربا اور ربا کی ہر شکل نہیں بلکہ اس کی کوئی خاص شکل ہے۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے نہایت ضعیف احتمال کی بنیاد پر حضرت رافع بن خدیج کی احادیث میں بھی اسی قسم کی تاویل فرمائی ہے جس کو صرف وہی شخص تسلیم کر سکتا ہے جس نے پہلے یہ یقین کر رکھا ہو کہ مطلق مزارعت جائز ہے۔ اس تاویل کے لئے بھی علامہ موصوف نے حضرت رافع کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے جس کے حضرت رافع سے روایت کرنے والے حضرت حنظلہ بن قیس ہیں۔ اس حدیث کو دو طریقوں سے نقل کیا گیا اور دونوں طریقوں کے متنوں میں اختلاف ہے، یہ دکھانے کے لئے کہ علامہ طحاوی نے اس حدیث سے جو مطلب لیا ہے اس کی اس حدیث میں کہاں تک گنجائش ہے اس حدیث کے الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے :

۱۔ عن حنظلة بن قیس عن رافع بن خديج قال كنا بنى حارثة اکثر اهل المدينة حقلًا وكنا نكرى الارض على ان ماسقى المازيات والربيع فلنا، وما سقت الجداول فلهم فربما سلم هذا وهلك هذا، وربما هلك هذا وسلم هذا ولم يكن عندنا يومئذ ذهب ولا فضة فنعلم ذلك فسالنا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فنهاننا۔
(ص ۲۵۸-۲۵۹ ج ۲-طحاوی)

حضرت حنظلہ بن قیس نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا یہ کہ ہم بنی حارثہ کے لوگ مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے تھے اور ہم اپنی زمین دیا کرتے تھے اس معاہدہ پر کہ پانی بہنے کی جگہ اور نالیوں کے آس پاس کی پیداوار ہمارے لئے ہوگی اور باقی حصہ کی کاشت کاہ کے لئے، پھر کبھی اس حصہ کی پیداوار ٹھیک اور اس حصہ کی خراب اور کبھی اس کے برعکس ہوتا اور ہمارے پاس اس وقت سونا چاندی نہیں تھا کہ ہم اس کو جانتے، ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا تو آپ نے منع فرمایا۔

۲۔ عن حنظلة بن قیس انه سمع رافع بن خدیج یقول کنا اکثر اهل المدينة حقلا وکنا نقول للذی نخابره لک هذه القطعة ولنا هذه القطعة نزرعها لنا، فربما اخرجت هذه القطعة ولم تخرج هذه شیئا، وربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه شیئا فنهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فاما بالورق فلم ینهلنا عنه۔

حنظله بن قیس سے روایت ہے کہ اس نے رافع بن خدیج سے سنا کہ ہم اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے تھے۔ ہم بن کوزمین منابرت پر دیتے تو کہتے تھے کہ زمین کا یہ ٹکڑا تمہارے لئے اور یہ ہمارے لئے، تم اسے کاشت کرو، پھر کبھی یہ ٹکڑا پیداوار نکالتا اور یہ کچھ نہ نکالتا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا، پس من فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے، رہا بعض نقدی کے پس اُس سے ہمیں منع نہیں فرمایا۔

یہ دو حدیثیں جو دراصل ایک ہی حدیث ہیں ان میں پہلے کراء الارض اور منابرت کی ایک خاص شکل کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ مالک زمین کاشت کار سے یہ طے کرتا تھا کہ تم میری زمین کاشت کرو اس کے اس حصے کی پیداوار میرے لئے ہوگی اور اس حصہ کی تمہارے لئے، پھر اس شکل سے نہی کا ذکر ہے لیکن نہی کے وہ الفاظ مذکور نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، نیز ان دونوں روایتوں میں ان کا بھی بطور خاص ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض بالذهب والفضة سے منع نہیں فرمایا۔ حضرت حنظلة بن قیس کی یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی مختلف اسناد اور مختلف متون سے بیان کی گئی ہے، مثلاً صحیح المسلم کی ایک روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن حنظلة بن قیس انه سأل رافع بن خدیج عن کراء الارض فقال نہی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کراء الارض قال نقلت أبا الذهب والورق، فقال أما بالذهب والورق فلا بأس به (صحیح المسلم)

حنظله بن قیس نے بیان کیا کہ اس نے حضرت رافع سے کراء الارض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے، پھر میں نے پوچھا کہ سونے چاندی کے بدلے کراء الارض کا کیا حکم ہے تو حضرت رافع نے فرمایا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

اور سن نسائی میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :

عن حنظلة بن قيس قال سالت رافع بن خديج عن كراء الارض فقال نهى رسول الله عن كراء الارض. قلت: بالذهب و الورق فقال لا، انما نهى عنها بما تخرج الارض منها، فاما بالذهب والفضة فلا بأس - (ص ۱۲۵ - ج ۲)

حنظله بن قیس سے روایت ہے کہا کہ میں رافع بن خدیج سے کراء الارض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے، میں نے کہا سونے چاندی کے بدلے کیا ہے کہا کہ اُس سے منع نہیں فرمایا، آپ نے تو صرف زمین کی پیداوار کے بدلے کراء الارض منع فرمایا ہے۔ چنانچہ سونے چاندی کے عوض کچھ حرج نہیں۔

بہر حال حضرت حنظله کی روایات میں جو بات نہایت واضح ہے وہ یہ کہ زمین کی کسی پیداوار کے بدلے کراء الارض ممنوع ہے اور نقد کے بدلے ممنوع نہیں لیکن اس کی کسی روایت میں بھی نہیں کے وہ الفاظ مذکور نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، جب کہ حضرت رافع بن خدیج سے روایت کرنے والے دوسرے راویوں کی احادیث میں نہیں کے الفاظ واضح طور پر مذکور ہیں، مثلاً مجاہد، سلیمان بن یسار، ابوالنجاثی مولیٰ رافع بن خدیج اور اسید بن ظہیر، خود علامہ طحاوی نے ان کی جو احادیث بیان کی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا واضح ذکر ہے۔ مثلاً حضرت حنظله کی مذکورہ دو حدیثیں بیان کرنے کے بعد حضرت سلیمان بن یسار کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے اُس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں :

قال: من كانت له ارض فليمنحها اخاه ولا يكرها بثلث ولا بربع ولا بطعام مسي. جس کے پاس فاضل زمین ہو چاہیے کہ وہ اُسے اپنے بھائی کو مفت برتنے کے لئے دے دے، تنہائی، چوتھائی پیداوار اور غلہ کی مقررہ مقدار کے بدلے کرائے پر نہ دے۔ ظاہر ہے کہ انہی کے جو الفاظ حضرت رافع نے مجاہد، سلیمان بن یسار، ابوالنجاثی مولیٰ رافع اور اسید بن رافع سے بیان کئے ہیں وہی الفاظ حنظله والی روایت کے بھی ہو سکتے ہیں، جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمین کو پیداوار کے کسی

حصہ پر دینا قطعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ حنظلہ بن قیس کی حدیث میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ رافع بن خدیج کے نزدیک زمین، نقد کے عوض کرائے پر دینا ممنوع نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے منع نہیں فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر حنظلہ بن قیس کی بعض روایات میں مخابرت کی ایک خاص شکل اور اس کی مانعت کا ذکر ہے تو اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ شکل ممنوع ہے لیکن اس میں اس مطلب کی کوئی گنجائش نہیں کہ مطلق مزارعت تو جائز ہے البتہ اس کی بعض شکلیں صرف اس وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہیں کہ ان میں بعض دفعہ ایک فریق کو اپنے حصہ سے محروم ہو جانا پڑتا ہے کیونکہ اگر مذکورہ شکل کے سوا دوسری شکلوں کے جواز کی گنجائش ہوتی تو حنظلہ سونے چاندی کے عوض کرا الارض کے متعلق سوال نہ کرتے۔ یہ سوال انہوں نے اس وقت اٹھایا جب انہیں علم ہو گیا کہ پیداوار کے عوض کرا الارض کی کوئی شکل جائز نہیں جیسا کہ صحیح المسلم اور سنن نسائی کی مذکورہ حدیثوں سے صاف ظاہر ہے۔

غرض کہ جب حضرت حنظلہ بن قیس کی احادیث میں مذکورہ مطلب کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تو پھر ان کی بنا پر حضرت رافع سے مروی دوسری احادیث میں تاویل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ وہ مزارعت کی ہر شکل کی ہی میں دو دو چار کی طرح واضح ہیں۔

اس کے بعد علامہ طحطاوی نے مذکورہ مطلب کی تائید میں حضرت زید بن ثابت کی جو حدیث نقل فرمائی ہے غور سے دیکھا جائے تو اُس سے بھی اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ حضرت زید بن ثابت کی اس حدیث کو نقل کیا جائے :

عن زید بن ثابت انہ قال یغفر للہ	زید بن ثابت نے فرمایا اللہ مغفرت کرے رافع
لرافع بن خدیج انا واللہ کنت ابعلم	بن خدیج کے لئے، میں واللہ اس کی نسبت
بالحدیث منہ، انما جاء رجلاً من	اس حدیث کا زیادہ علم رکھتا ہوں۔ دراصل
الانصار الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	دو انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
وقد اقتتلا فقال: ان کان هذا شأنکم	ہوئے جب کہ ان کے درمیان جھگڑا ہو چکا

نہ لا تکرُوا المزارع، فسمع قوله: لا
تھا، آپ نے ماجر اسن کر فرمایا کہ اگر تم لوگوں
کا یہ حال ہے تو پھر کھیتوں کو کرائے پر دینا ترک
کر دو، پس رافع نے صرف اتنا ہی سنا کہ:
لا تکرُوا المزارع۔

اس روایت کے الفاظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت زید بن ثابت یہ بتا رہے ہیں کہ
حضرت رافع جس حدیث کی بنا پر مزارعت کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے قائل نہیں مجھے اس حدیث
کا رافع کی نسبت زیادہ علم ہے اُسے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لا تکرُوا المزارع“
فرمایا کیونکہ اس نے صرف اتنا ہی سنا۔ اور مجھے اس کے ساتھ ساتھ وہ واقعہ بھی معلوم ہے جس کو
سن کر آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے، دراصل انصار کے دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا تھا
جنہوں نے آپس میں یہ معاملہ کر رکھا تھا، آپؐ نے حقیقت حال سننے کے بعد فرمایا اگر تمہارا یہ حال ہے تو
پھر کھیتوں کو کرائے پر دینا بند کر دو۔

اس بات سے حضرت زید کا مقصد حضرت رافع کی تائید کرنا ہے یا انکار و تردید؟ اس کا
تعیین اُس وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زید بن ثابت مطلق مزارعت کے ناجائز
اور ممنوع ہونے کے قائل تھے یا مباح اور جائز ہونے کے قائل تھے۔ اگر ممنوع اور ناجائز ہونے کے
قائل تھے تو اس صورت میں مذکورہ قول سے ان کا مقصد حضرت رافع کی تائید اور اگر جائز ہونے کے قائل
تھے تو مقصد انکار اور تردید ہو گا۔ لیکن خود حضرت زید کی اپنی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ
وہ مزارعت کے ممنوع ہونے کے قائل تھے۔ وہ حدیث سنن ابی داؤد وغیرہ میں اس طرح ہے:
عن زید بن ثابت قال نھی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرة،
قلت ما المخابرة؟ قال ان تأخذ الارض
بنصف او ثلث اور ربع۔ (ص ۱۷۷ ج ۲)
حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا۔ میں نے
(یعنی زید بن ثابت کے شاگرد نے) پوچھا کہ مخابرت
کا کیا مطلب ہے تو حضرت زید نے جواب دیا، تیرا
زمین کو لینا نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے
بدلے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کراء الارض اور مزارعت کی صرف ان شکلوں کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کے قائل نہ تھے جو غلط شرائط کی وجہ سے باعث نزاع بنتی ہیں۔ بلکہ ایسی واضح شکلوں کے ممنوع ہونے کے بھی قائل تھے جیسے نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پر معاملہ کی شکلیں، لہذا ان کے زیر بحث اثر سے یہ مطلب دینا کہ ان کے نزدیک مطلق مزارعت جائز تھی ایک بالکل ناقابلِ فہم بات ہے۔

اگر اس کے باوجود کسی کو اس پر اصرار ہو کہ حضرت زید کے مذکورہ قول کا مقصد حضرت رافع کے موقف کا انکار ہے تو یہ انکار صرف اس صورت میں درست قرار پاسکتا ہے جب حضرت رافع محض اُس حدیث کی بنا پر تحریم مزارعت کے قائل ہوں جس کا اس روایت میں ذکر ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت رافع بعض دوسری احادیث کی بنا پر تحریم مزارعت کے قائل تھے جن کو علامہ طحاوی نے پیچھے خود نقل فرمایا ہے مثلاً ایک وہ حدیث جو انہوں نے اپنے دو چچاؤں سے سنی جس کے آخری الفاظ ہیں:

من كانت له ارض فليزرعها والا فليمنحها اخاك ولا يكرهها بثلث ولا بربع ولا بطعام مسمي، اور دوسری وہ حدیث جو انہوں نے خود رسول اللہ صلعم سے اس وقت سنی جب وہ اپنی کھیتی کو میراب کر رہے تھے اور رسول اللہ صلعم کا دہاں سے گزر رہا تھا، اور جس کے آخری الفاظ ہیں: اربيت يا اربيتما فرد الارض على اهلها وخذ نفقتك۔

علاوہ ازیں حضرت زید کی زیر بحث روایت میں حدیث کا یہ جو ٹکڑا ہے: ان كان هذا شأنكم فلا تتركوا المزارع سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجب نزاع ہونے کی وجہ سے کراء الارض کو ممنوع قرار دیا لیکن یہ کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق کراء الارض کے اندر مزارع کا مادہ موجود نہیں لہذا وہ ممنوع نہیں جائز ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلعم صرف وجہ نزاع یا صرف متعین طور پر کراء الارض کی موجب نزاع شکل سے منع فرماتے مطلق کراء الارض سے منع نہ فرماتے۔ پھر اس روایت میں کراء الارض کی اُس شکل کی بھی کوئی تفصیل نہیں جو دو انصاروں کے مابین باعث نزاع بنی تھی لہذا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فلا تتركوا المزارع میں کراء الارض کی جو نہی ہے اس کا تعلق صرف کراء الارض کی فلاں شکل سے ہے۔ اسی طرح نفس نزاع کسی معاملہ کے حرام ہونے

کا اصل سبب نہیں بلکہ اصل سبب ظلم و حق تلفی کا وہ عنصر ہے جو کسی معاملے کی ماہیت میں پایا جاتا ہے۔ نزاع، ظلم و حق تلفی کے آثار میں سے ایک اثر ہے، مثلاً قرآن حکیم کے بیان کے مطابق معاملہ ربوہ کے حرام ہونے کی وجہ اس کی ماہیت میں ظلم و حق تلفی کا پایا جانا ہے لہذا اگر ربوہ کا معاملہ کرنے والوں کے مابین کبھی نزاع نہ بھی ظاہر ہو تب بھی وہ حرام ہے۔

علامہ طحاوی نے اپنے مطلب کی تائید میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی بھی ایک حدیث بیان فرمائی

ہے اور وہ یہ ہے:

عن سعید بن المسيب عن سعد بن ابی وقاص قال کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی وبما یسقی بالماء مباحول البئر فنظمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلالت وقال اکروھا بالذهب والفضة - (ص ۲۵۹ - ج ۲ طحاوی)

سعد بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ لوگ اپنے کھیت کرائے پر دیتے تھے بعض اس پیداوار کے جو نالی کے کنارے پیدا ہوتی تھی اور بعض اُس پیداوار کے جو کنوئیں کے آس پاس کے حصہ میں آگئی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور یہ کہا کہ سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ کہ علامہ طحاوی کی مذکورہ تاویل کی تائید نہیں ہوتی بلکہ الٹی تردید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث میں اگرچہ پہلے مزارعت اور کراء الارض کی ایک باعث نزاع شکل اور اس کی مانعت کا بیان ہے جس سے بجا طور پر یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ نہی کا تعلق مزارعت کی اس خاص شکل سے ہے نہ کہ مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل سے۔ لیکن حدیث کا آخری حصہ اس احتمال کی نفی کر دیتا ہے جس کا مطلب ہے پیداوار کے کسی حصہ پر زمین کرائے پر نہ دو بلکہ صرف سونے چاندی یعنی نقدی کے عوض کرائے پر دو۔

اسی طرح علامہ طحاوی نے اپنی تاویل کو سہارا دینے کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر کا جو اثر نقل فرمایا ہے اس سے بھی یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ کے نزدیک صرف مزارعت کی غلط شکلیں ناجائز تھیں سب شکلیں ناجائز نہ تھیں۔ اور پھر اگر ایسا ہوتا تو عبداللہ بن عمر حضرت رافع سے حدیث

سن کر مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل کو ترک نہ کرتے حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے مطلقاً مزارعت و محابرت کو ترک کر دیا تھا۔ اور کیا کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے صرف مزارعت کی غلط شکلوں کو ترک کیا تھا۔ صحیح شکلوں کو نہیں کیا تھا، علاوہ ازیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت رافع کی حدیث کی بنا پر تحریم مزارعت کے قائل نہ ہوئے تھے بلکہ اس کے متعلق انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث سنی تھی جو حسن دارقطنی میں موجود ہے :

عن عبد اللہ بن عمر عن عائشہ ان النبی	حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عائشہ سے
صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی سیرہ فاذا	روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک راستے سے گزرتے
هو بزرع تھتھت فقال لمن هذا الزرع	کہ اچانک آپ کی نگاہ ایک بلبھاتی کھیتی پر پڑی
قالوا لرافع بن خدیج فارسل الیہ وکان	آپ نے پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے لوگوں نے
اخذوا الارض بالنصف او بالثلث فقال	بتایا کہ رافع بن خدیج کی، آپ نے اس کو بلا
انظر لفتکت فی هذه الارض فخذها من	بھیجا، اور یہ زمین اُس نے نصف یا تہائی پیداوار
صاحب الارض وادفع الیہ ارضہ وزرعہ	پر لی تھی، فرمایا دیکھو تمہارا اس زمین میں کتنا
(ص ۳۰۲ - ج ۲)	خرچہ ہوا ہے تم مالک زمین سے وہ خرچہ لے لو
	اور زمین مع کھیتی کے اس کے حوالے کر دو۔

محترم ڈاکٹر معصومی صاحب نے جواز مزارعت کے سلسلے میں کچھ باتیں فقہ مغربی کی کتاب المغنی لابن قدامہ سے بھی نقل فرمائی ہیں۔ ان میں سے کچھ باتوں کا جواب علامہ بدرالدین عینی حنفی نے البناہ شرح ہدایہ میں کافی شافی دیا ہے۔ دیکھئے صفحہ ۱۰۶ جلد چہارم۔ اور کچھ باتوں کا جواب میں اپنے مضمون میں نام لئے بغیر عرض کر چکا ہوں۔ صحیح البخاری کے ترجمہ الباب میں جو آثار ہیں علامہ ابن قدامہ نے آنکھیں بند کر کے ان ہی کا حوالہ دیا ہے اور میں ان میں سے ایک ایک پر بحث کر چکا ہوں۔ اگر کسی کے نزدیک میری بحث صحیح نہیں تو وہ دلائل سے اس کو غلط ثابت کرے۔ میں اس کا نہایت ممنون ہوں گا۔

قیس بن مسلم کے اثر کی بنا پر جس کا یہ خیال ہو کہ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں مزارعت کا عام رواج تھا یہاں تک مہاجرین کا کوئی گھرانہ نہ تھا جو اس کا کاروبار نہ کرتا ہو، اُسے یہ بتانا پڑے گا

کہ امام مالک جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور مسائل کے حل میں رواج اور تعامل اہل مدینہ کو بڑی بنیادی اہمیت دیتے تھے بلکہ محض قولی حدیث کے مقابلہ میں تعامل مدینہ کو ترجیح دیتے تھے مزارعت کے عدم جواز کے کیوں قائل ہوئے۔ اسی طرح امام شافعی جو کافی عرصہ امام مالک کے پاس مدینہ منورہ میں مسرور تعلیم رہے اور اپنی آنکھوں سے مدینہ کے حالات کو دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، اگر مدینہ کے تمام لوگ مزارعت پر عمل پسیرا تھے تو پھر انہوں نے مزارعت کو کیوں ناجائز کہا۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ کو بھی متعدد بار مدینہ جانے اور وہاں کے حالات دیکھنے سننے کا موقع ملا، اگر اہل مدینہ کا مزارعت پر عمل تھا اور ان کا یہ عمل ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھا تو انہوں نے مزارعت کے متعلق عدم جواز کا موقف کیوں اختیار کیا۔ بہر حال جہاں تک حجاز اور مدینہ کے علماء کا تعلق ہے قاضی ابویوسف کے لکھنے کے مطابق وہ سب مزارعت کو ایک مکروہ اور فاسد معاملہ گردانتے تھے۔ وہ عبارت یہ ہے: سألت امیر المومنین عن المزارعة فی الارض البیضاء بالنصف و الثلث، فان اصحابنا من اهل الحجاز و اهل المدینة علی کراهة ذلك و افساده۔ (ص ۸۸۔ کتاب الخراج لابن یوسف) اس کا مطلب یہ ہو کہ یا تو مدینہ میں مزارعت کا رواج نہ تھا اور اگر تھا تو علماء مدینہ و حجاز کے نزدیک ناجائز اور غلط تھا۔ غرض کہ اگر قیاس بن مسلم کے اثر کو جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے صحیح مان لیا جائے تو پھر دو باتوں میں سے ایک کو ضرور ماننا پڑے گا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ اہل مدینہ کا عمل قرآن و حدیث کے خلاف اور غلط تھا یا یہ کہ علمائے حجاز اور مدینہ نے اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث کے مطلب کو غلط سمجھا۔

جہاں تک مزارعت کو مشاربت پر قیاس کرنے کا تعلق ہے اس قیاس کو سب سے پہلے امام شافعی نے رد کیا۔ دیکھئے کتاب الاام۔ اسی طرح علامہ طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں اس قیاس کو کئی وجوہ سے غلط قرار دیا ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح اور حواشی میں بھی اس قیاس کو قیاس فاسد کہا گیا ہے۔ مثلاً حاشیہ جلی علی الغنایہ میں لکھا ہے: ولم یذكر الجواب عن القیاس علی المضاربة لظهور فسادہ فان من شرطه ان یتعدی الحكم الشرعی الی فرع هو نظیرة و ههنا لیس كذلك لان معنی الاجارة فیها اغلب حتی اشترطت فیها المدة بخلاف المضاربة۔ (مکملۃ فتح القدیر۔ ص ۳۳۔ ج ۸)

میں نے اس تیاس کے باطل ہونے کی بعض دوسری وجوہ اپنے مضمون میں عرض کی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی عرض کیا ہے کہ مضاربت کو اجارے پر قیاس کرنا کیوں صحیح نہیں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر کوئی صاحب علمی طریقہ سے میری باتوں کو غلط ثابت کریں۔

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نہ تو مکان کرائے پر دینا جائز سمجھتا ہوں اور نہ اس کے کرائے کو ربا کہتا ہوں۔ کرائے اور اجارے کے متعلق قرآن وحدیث سے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ کہ ایسی تمام چیزیں کرائے پر دینا جائز ہے استعمال ہونے سے جن کی مالیت اور قیمت گھٹتی ہے اور مالک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مکان بھی چونکہ ایسی ہی چیزوں کے زمرہ میں آتا ہے اس لئے کہ استعمال ہوتے رہنے سے اس کی مالیت و قیمت میں مسلسل کمی واقع ہوتی ہے لہذا اسے کرائے پر دینا جائز ہے۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ اسلامی عدل کی رو سے کرائے کی مقدار کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے۔ اس بارے میں میرا علم و فہم یہ ہے کہ اگر مالک اس چیز کے ساتھ کوئی دماغی جسمانی محنت و مشقت نہیں کرتا تو اس صورت میں وہ اپنی چیز کے استعمال پر صرف اتنا کرایہ وصول کر سکتا ہے جتنی کہ استعمال سے اس چیز کی مالیت و قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ لینے کا اس کے لئے کوئی جواز نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی قسم کی محنت و مشقت بھی کرتا ہے تو اس کا بدل بھی وصول کر سکتا ہے لیکن نہ اتنا جتنا کہ وہ کسی دوسرے کو اس کا بدل دیتا۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی ٹیکسی خود چلاتا ہے اور روزمرہ اس کی قیمت میں بیس روپے کی کمی ہوتی ہے تو بیس روپے اس کی کے اور دس روپے یومیہ ڈرائیور کی اجرت کے، کل تیس روپے یومیہ لے سکتا ہے۔ البتہ ایسی اشیاء جن کی مالیت و قیمت استعمال ہونے کے بعد بھی کم نہیں ہوتی ان کو کرائے پر دینا یا ان کا کرایہ وصول کرنا جائز و درست نہیں، جیسے روپیہ پیسہ وغیرہ جو استعمال کے بعد بھی اپنے مالک کی طرف پورے کا پورا لوٹتا ہے۔